۸ نقاب اور چہرے

سلمیٰ صدّیقی

پیش درس

'رپورتاژ' غیر رسمی، غیر صحافیانہ اور بے تکلف اسلوب میں لکھی گئی کسی واقعے یا تقریب کی روداد ہے جس میں بیانیہ اور انشاپردازی کو بیک وقت بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اس میں تخیل کی کارفرمائی، مکالموں کے فطری انداز اور انشائیے کی غیر متفکرانہ آزادی سے خوب کام لیا جاتا ہے۔ محمود ہاشمی کی تحریر 'کشمیر اُداس ہے' رپورتاژ کی عمدہ مثال ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا ہے: ''رپورتاژ افسانے، سفرنامے اور روداد کی ملی جلی سی ایک چیز ہے لیکن ان سب سے زیادہ مزیدار اور دلکش۔'' ترقی پسند ادیبوں میں سب سے پہلے سجاد ظہیر نے 'یادیں' کے عنوان سے اپنے تاثرات لکھے تھے۔ اس میں حقیقت افسانے سے زیادہ دلکش ہوگئی ہے۔ جب کرشن چندر نے اپنا مشہور رپورتاژ 'پودے' لکھا، اس صنف کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ کرشن چندر کا دوسرا رپورتاژ بھی بہت مقبول ہوا جس کا عنوان ہے 'جب صبح ہوتی ہے'۔ ابراہیم جلیس کا رپورتاژ 'شہر' بمبئی کی زندگی کا مرقع ہے لیکن 'دو ملک ایک کہانی' ان کا زیادہ مؤثر رپورتاژ ہے۔ فکر تونسوی کا 'چھٹا دریا' اور تاجور سامری کا 'جب بندھن ٹوٹے' فسادات پر لکھے گئے کامیاب رپورتاژ ہیں۔ رضیہ سجاد ظہیر، احمد ندیم قاسمی، عبداللہ ملک، قرۃ العین حیدر، ممتاز حسین، خواجہ احمد عباس، عاتق شاہ وغیرہ نے بھی اپنے سفرنامے اسی رنگ میں لکھے ہیں۔

جان پہچان

سلمیٰ صدیقی ۱۸؍جون ۱۹۳۱ء کو بنارس میں پیدا ہوئیں۔ وہ اُردو کے نامور ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی کی بیٹی تھیں۔ ان کا گھریلو ماحول علمی و ادبی تھا۔ انھیں بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ امتیازی نمبرات سے ایم.اے کرنے کے بعد انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بہ حیثیت لیکچرار اپنی خدمات کا آغاز کیا۔ وہ ۱۹۶۲ء میں ممبئی آ گئیں اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سلمیٰ صدیقی نے عورتوں کے مسائل سے متعلق اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں افسانے لکھے اور انھوں نے طنزیہ و مزاحیہ مضامین بھی تحریر کیے۔ انھیں رپورتاژ نگاری سے بھی دلچسپی تھی۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ 'مٹی کا چراغ' اور طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ 'سکندر نامہ' شائع ہوا ہے۔ ۱۳؍فروری ۲۰۱۷ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

ہمارے یہاں اُس شام بمبئی کے ادیبوں اور شاعروں کی ایک محفل منعقد ہونے والی تھی۔ ادیبوں اور شاعروں سے ادبی مجلسوں اور مشاعروں میں ملاقات کیجیے تو مزا نہیں آتا جو لطف ان کو گھریلو ماحول اور بے تکلف محفل میں دیکھ کے آتا ہے۔ دراصل زندگی کے ہر شعبے میں افراد کے چہروں پر جو ایک ملمع یا ایک نقاب ہوتا ہے وہ گھریلو محفلوں میں ایسے انجانے طریقے سے آہستہ آہستہ اُتر جاتا ہے کہ انسان کے چہرے کے صحیح خدوخال دیکھنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے۔

دھیرے دھیرے سورج ڈھلنے لگا، آہستہ آہستہ ہوا میں خنکی رچنے لگی اور ہولے ہولے شام اپنے قدم بڑھانے لگی۔ میں نے بیٹھنے کے کمرے پر ایک نظر ڈالی۔ کھانے کی میز کا جائزہ لیا۔ پھولوں کی ڈنڈیاں ایک بار پھر گلدانوں میں سنواریں، کرسیوں پر نظر نہ آنے والے گرد و غبار کو ایک بار پھر صاف کر دیا اور خود بڑے آئینے میں اپنا بھرپور جائزہ لیا۔ چہرے پر ایک بڑی پرخلوص مسکراہٹ پیدا کی اور بیٹھنے کے کمرے میں سامنے کی کرسی پر ایک خاص زاویے سے بیٹھ کر باہر سڑک کی جانب دیکھنے لگی یعنی مہمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگی لیکن مہمان صرف مہمان ہی تو نہ تھے جو وقت پر آ جاتے۔ وہ ادیب بھی تو تھے جو اگر وقت پر آ جاتے تو ان کے ادب پر حرف

نہ آ جاتا؟ اچانک ایک نہایت لمبی چوڑی امپالا پھاٹک پر آ کر رُکی اور میں مہمان کے استقبال کے لیے جلدی سے پھاٹک کی طرف بھاگی۔ میرا خیال غلط نکلا۔ وہ کسی فلمی ستارے کی گاڑی تھی اور یہ بھی محض اتفاق تھا کہ دَم لینے کو اُس نے میرے گھر کے سامنے کی سڑک کا انتخاب کیا اور یوں کچھ دیر کو میرے گھر کے سامنے بھی ننگے بھوکے بچوں اور نوجوان خوش لباس لڑکیوں لڑکوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ امپالا روانہ ہوگئی۔ مجمع چھٹ گیا اور میں پھر ادیبوں کے انتظار میں ٹہلنے لگی۔ چائے کا پانی نئی شاعری کی طرح اُبل اُبل کر اور تجریدی کہانی کی طرح پیچ و تاب کھا کر کسی خشک تنقیدی مضمون کی طرح ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں بار بار کچن میں جاتی تھی۔ اُس بلّی کا خوف مجھے کھائے جا رہا تھا جو اکثر اپنے اور میرے پرانے مراسم کی بنا پر بار بار بڑی بے تکلفی اور اپنائیت سے کھانے کی چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہتی تھی۔

ساڑھے چھے بجے کے قریب جب میں چوتھی بار کچن میں گئی تو بیٹھنے کے کمرے سے اچانک کئی آوازیں آنے لگیں۔ سب لوگ ایک ساتھ بول رہے تھے اور ہلکی ہلکی ہنسی بھی گونج رہی تھی۔ میں نے باہر نکل کے دیکھا، سامنے ڈاکٹر دھرم ویر بھارتی تھے، ساتھ پشپا بھارتی بھی نظر آئیں۔ اسی وقت مجروحؔ سلطان پوری اور بیگم فردوس مجروح آ گئیں جنھیں سردارؔ جعفری ہمیشہ فردوس برروئے زمین کہتے ہیں۔ مجروحؔ صاحب بڑے تپاک سے ملے۔ سردارؔ جعفری بے حد شفاف کُرتے پاجامے اور جیکٹ میں ملبوس اندر آ گئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور ان کے ہاتھ بار بار اپنے بالوں کی طرف غیر ارادی طور پر بڑھ رہے تھے۔ انھوں نے آتے ہی مجمع پر ایک نظر ڈالی اور کھانے کی میز کے پاس آ کے مجھ سے مخاطب ہوئے، ''بھئی سلمیٰ ...کہاں ہے وہ نامعقول شخص جس کا نام کرشن چندر ہے؟''

میں اِدھر اُدھر دیکھ کے نامعقول شخص کو ڈھونڈنے لگی کہ کرشن جی اپنے کمرے سے برآمد ہوئے۔ اُس وقت انھوں نے سفید ململ کا کرتا اور بڑی مہری کا کلف لگا کھڑکھڑاتا ہوا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ دونوں کپڑے کچھ پھولے پھولے اور پھیلے پھیلے اور ڈھیلے ڈھیلے سے نظر آ رہے تھے۔ پہلی نظر میں کرشن جی کو ان کپڑوں میں دیکھ کر بے اختیار شادی بیاہ کے اس بڑے دعوت نامے کی یاد آ گئی جو خود تو بہت لحیم شحیم ہوتا ہے لیکن اس کے اندر کا مضمون بہت مختصر ہوتا ہے۔

ساحرؔ لدھیانوی آئے تو ساڑھے سات بج چکے تھے۔ جب میں نے ان کو چائے پیش کی تو انھوں نے بڑے اخلاق سے جواب دیا کہ وہ اس وقت چائے نہیں پیتے۔ یہ کہہ کر وہ کرشن جی کے لکھنے کے کمرے میں جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد جب میں عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کے استقبال کے لیے باہر گئی اور وہاں سے واپس ہوئی تو مجھے یہ دیکھ کے بہت حیرت ہوئی کہ بیٹھنے کے کمرے میں صرف خواتین رہ گئی ہیں۔ باقی لوگ آہستہ آہستہ کرشن جی کے کمرے میں جا رہے تھے۔

عصمت چغتائی کمرے میں داخل ہوئیں اور ایک بڑی اچٹتی سی نظر اِدھر اُدھر ڈال کے دیوان پر کچھ بیٹھنے اور کچھ لیٹنے کے انداز میں بیٹھ رہیں۔ عصمت آپا کا کسی محفل میں خود سے پہنچ جانا تقریباً ناممکن ہے۔ انھیں بلائیے تو بار بار اُن کی یاددہانی کراتے رہیے۔ ان کو گھر سے لانے اور گھر تک پہنچانے کا بندوبست کیجیے۔ اُن کی اس ادا پہ بہت حیرت ہوتی ہے۔ جو خاتون اپنی کہانیوں میں اور اپنے خیالوں میں اس قدر روشن خیال ہو، وہ آنے جانے اور گھومنے پھرنے کے سلسلے میں اس قدر قدامت پسند ہو، عجیب بات ہے!

میں نے قرۃ العین حیدر کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ خاموش سی دیوان کے کونے میں ریڈیو گرام کا سہارا لیے بیٹھی تھیں۔ عصمت چغتائی جس طرح کی باتیں اپنے ادب میں کرتی ہیں، ویسی ہی اپنی گفتگو میں بھی کرتی ہیں مگر عینی اپنے رکھ رکھاؤ، مجلسی گفتگو اور

آدابِ محفل میں عصمت سے بالکل مختلف ہیں۔ اپنے ادب میں وہ جتنی ماڈرن ہیں، زندگی میں اتنی ہی قدامت پرست۔ وہ ادیبوں کی محفل میں کم نظر آتی ہیں۔ عینی بڑی محفلوں میں کُھلتیں۔ قریبی دوستوں کی چھوٹی چھوٹی محفلوں میں کوئی بحث شروع ہوجائے، پھر دیکھیے عینی کی گل افشانیِ گفتار۔ وہ ایک دم بدل جاتی ہیں۔ کرسی سے دیوان پہ آجائیں گی، دیوان سے اُتر کر نیچے قالین پر آجائیں گی اور مغربی ادب کی جدید ترین تحریکوں پر جدید ترین خیالات کا اظہار انتہائی وضاحت اور صاف گوئی سے فرمائیں گی۔

باہر ایک ٹیکسی آ کر رُکی اور خواجہ احمد عباس نمودار ہوئے۔ وہ حسبِ معمول بے حد جلدی میں تھے۔ ایک نظر کرشن چندر کے کمرے میں ڈالی۔ میں ہنس دی تو خود بھی ہنس دیے۔ پھر بولے، ''لائیے، چائے لائیے!'' میں نے چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھائی تو بولے، ''بھئی، بس چائے چلے گی۔ مٹھائی وٹھائی مت لائیے گا۔'' عباس صاحب خوشیوں میں کم شرکت کرتے ہیں۔ وہ تندرست دوستوں کے یہاں کم جاتے ہیں اور کھاتے پیتے ساتھیوں کی پروا کم کرتے ہیں لیکن خدانخواستہ ان کو پتا چل جائے کہ اُن کا کوئی دوست، ساتھی یا شناسا پریشان ہے، اُداس ہے، مقروض ہے، بیمار ہے تو پھر عباس صاحب اپنا ہر ضروری کام چھوڑ کر اس انسان کی تیمارداری میں لگ جائیں گے۔

عباس صاحب کو کس چیز کی تلاش ہے، یہ میں آج تک نہ سمجھ سکی مگر اتنا یقین ضرور ہے کہ انھیں کسی کی تلاش ہے ورنہ وہ یوں ہر وقت اپنے آپ کو مصروف نہ رکھیں۔ ادب سے فلم میں، فلم سے جرنلزم میں، جرنلزم سے سیاست میں، سیاست سے سماج سدھار میں، سماج سدھار سے بچوں کی تعلیم میں، وہ ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے میں اپنے کو اُلجھائے رکھتے ہیں۔ یوں ہر ادیب کے پاس چند مسئلے ہوتے ہیں مگر عباس صاحب کے پاس سب سے زیادہ مسئلے ہیں۔ وہ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ صبح نو بجے گھر سے نکلتے ہیں، رات کو بارہ بجے واپس لوٹتے ہیں۔ ٹیکسی میں پڑھتے ہیں۔ ہوائی جہاز میں لکھتے ہیں۔ ریستوران میں سوتے ہیں اور رات کو جاگتے ہیں۔ آج بمبئی میں ہیں، کل دلّی میں، پرسوں ماسکو میں دیکھے گئے تو اگلے دن لندن میں ہیں۔ جی چاہتا ہے اُن سے پوچھوں :

منزل ہے کہاں تیری ، اے لالۂ صحرائی

مگر اُن کے پاس تو شاید یہ مصرعہ سننے کی بھی فرصت نہیں ہے۔ سگریٹ وہ نہیں پیتے، پان وہ نہیں کھاتے، شراب وہ نہیں پیتے، کسی دوست کی برائی وہ نہیں کرتے۔ شاید اسی لیے ان کا دل کسی محفل میں نہیں لگتا اور وہ چند منٹ ٹھہر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں، کسی تیسری جگہ جانے کے لیے!

کرشن جی کمرے سے ہانپتے ہوئے باہر نکلے ہیں اور امرتی اور بالوشاہی کی پلیٹ اُٹھا کے بھارتی جی کے پاس چلے گئے ہیں۔ مجروحؔ صاحب کچھ اشعار گنگناتے ہوئے باہر نکلے ہیں اور اِدھر اُدھر اپنی بیگم فردوس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ فردوس پاندان کھولے بیٹھی ہیں۔ مجروحؔ صاحب ایک لمحے کو ان کے پاس رُکے پھر واپس کمرے میں چلے گئے۔ میں جتنے ادیبوں سے اب تک ملی ہوں، مجروحؔ ان میں سب سے زیادہ 'انسان' ہیں یعنی نہ وہ فرشتہ بننے کا دعویٰ کرتے ہیں نہ شیطان بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی محبت، نفرت، غصہ، ہمدردی سب اسی زمین سے متعلق ہیں جس پہ ہم رہتے ہیں۔ وہ شاعر ہونے کے باوجود عام زندگی میں کبھی کوئی مبہم، غیر یقینی، ماورائی یا اِلہامی بات نہیں کہتے۔ عام زندگی میں بہت پریکٹیکل آدمی ہیں جو صرف شعر کی دنیا میں نہیں، اپنے بال بچوں میں بھی رہنا اسی قدر پسند کرتا ہے۔ خواہ وہ خاموش بیٹھے شعر کی فکر میں انتہائی محو ہوں لیکن اگر ان کا بچہ عندلیب گیند یا پتنگ کی فرمائش ان سے کردے گا

تو وہ سب کچھ بھول بھال کے سب سے پہلے اپنے بچے کا مطالبہ پورا کریں گے۔ انھیں غصہ آ جائے گا تو جوالامکھی کی طرح سارا غبار اُگل دیں گے اور محبت اور ہمدردی کا جذبہ اُمڈے گا تو سارے بدخواہوں کو ایک ہلّے میں معاف کر دیں گے۔

راجندر سنگھ بیدی میز کے قریب آئے ہیں۔ وہ شامی کباب کھاتے ہوئے کہہ رہے ہیں، ''بھئی، کباب بہت اچھے بنے ہیں!'' بیدی صاحب اپنی کہانیوں میں جس قدر سنجیدہ رہتے ہیں، دوستوں کی محفل میں اسی قدر خوش مذاق نظر آتے ہیں۔ بہت عمدہ فقرے کہتے ہیں اور جب ان کی طبیعت موزوں ہو تو کوئی بھی ان کے فقرے کی بے ضرر چبھن سے محفوظ نہیں رہتا۔ بیدی صاحب کو اُن کے اصل موڈ میں دیکھنا ہو تو انھیں ایسی محفل میں دیکھنا چاہیے جہاں ان کے سر پہ ان کے بال بچوں کا سایہ نہ ہو۔ عام طور سے بچے اپنے والدین کے سامنے جتنے مؤدّب اور سنجیدہ رہتے ہیں، بیدی صاحب اسی قدر مہذّب اپنے بال بچوں کے سامنے نظر آتے ہیں۔

ابھی ساحرؔ لدھیانوی کمرے سے نکلے تھے۔ میٹھا، محزوں، دھیما دھیما لہجہ، عشق اور رومان کی نازک ترین واردات، اگر انقلاب کا ذکر ہے تو اس قدر مدھم، دل گرفتہ لہجے میں کہ کسی سیاسی نظریے کا اظہار نہیں ہو رہا ہے، کسی پری چہرہ محبوب کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ ہیں ساحرؔ اپنی نظموں میں! جب تک ان سے نہ ملو، یہی سوچنا پڑتا ہے کہ زندگی میں بھی ساحرؔ ایسے ہی ہوں گے مگر مل کر کسی طرح گمان نہیں ہوتا کہ یہ وہی ساحرؔ ہیں۔ بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ دو ساحرؔ ہیں: ایک وہ جو دلکش نظمیں کہتا ہے، دوسرا وہ جو تلخ، حقیقت افروز بلکہ قنوطیت آمیز گفتگو کرتا ہے۔ یہ دوسرا ساحرؔ مجھے پہلے ساحرؔ کا نقاب معلوم ہوتا ہے اور کبھی پہلا ساحرؔ دوسرے ساحرؔ کا پردہ پوش۔ اس پر اب مجھے حیرت نہیں ہوتی ہے کیونکہ یہ ادیب اپنی شخصیت کے اندر اور کتنی ہی شخصیتیں چُھپائے رکھتے ہیں۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوئی گیارہ پر آنے والی تھی۔ کھانا میز پر لگ چکا تھا۔ میں نے کرشن جی کو آواز دی تاکہ ادبی ٹاپک کے بعد کوئی دوسرا ٹاپک جلیبی یا امرتی کے بارے میں نہ چھڑ جائے اور جب ادیب اور شاعر کھانے کی میز کی طرف بڑھنے لگے تو میں سوچنے لگی کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بمبئی کے یہ بڑے ادیب جب آپس میں ملتے ہوں گے تو ایک بہت ہی بلند سطح پر انتہائی دانش مندی کی گفتگو کرتے ہوں گے اور دنیا جہان کے مسئلے سلجھاتے ہوں گے۔ جب تک میں ان لوگوں سے نہیں ملی تھی، میں بھی ایسا ہی سوچتی تھی۔

بڑے ادیبوں کی محفل میں معیارِ گفتگو سطحی، معمولی بلکہ کبھی کبھی نہایت عامیانہ ہوتا ہے۔ ان سے بڑھ کر دانشوری کی باتیں تو وہ کرتے ہیں جو نکّڑ کے ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں اس لیے ادیب کی ظاہری گفتگو، رہن سہن، طبیعت اور مزاج سے آپ اس کے ادب کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ادیب کی زندگی کا جو سب سے اہم پہلو ہے، وہ اسے سو پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے۔ آپ اسے صرف کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔

معانی واشارات

ملمع	–	پالش
حرف آنا	–	اعتراض کیا جانا
تجریدی کہانی	–	آسانی سے سمجھ میں نہ آنے والی کہانی
مراسم	–	تعلقات
لحیم شحیم	–	موٹا تازہ
قدامت پرست	–	پرانے رواجوں کو ماننے والا

گل افشانیِ گفتار	–	باتوں سے پھول جھڑنا، مراد اچھی گفتگو کرنا
جرنلزم	–	صحافت، اخبار نویسی
ماورائی	–	حقیقت سے پرے، ناقابلِ فہم
دل گرفتہ	–	غمگین
محزوں	–	غمگین

مشقی سرگرمیاں

* مہمانوں کے متعلق شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

* مصنفہ کے گھر منعقد ہونے والی محفل میں شریک ہونے والوں کے ناموں کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

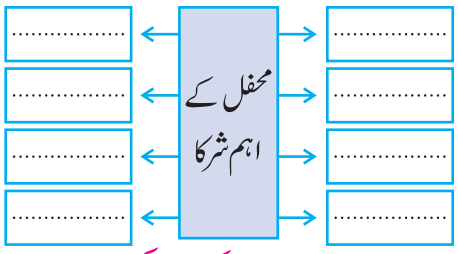

* سبق میں مذکور چیزوں سے شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

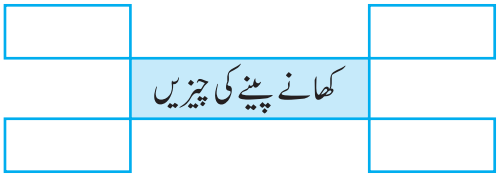

* شعرا و ادبا کی آمد کی ترتیب سے رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

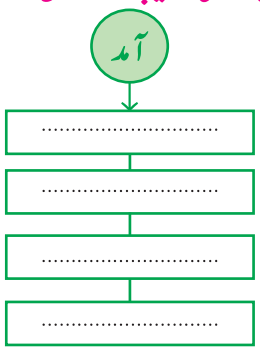

* خواجہ احمد عباس کی مصروفیات کا رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

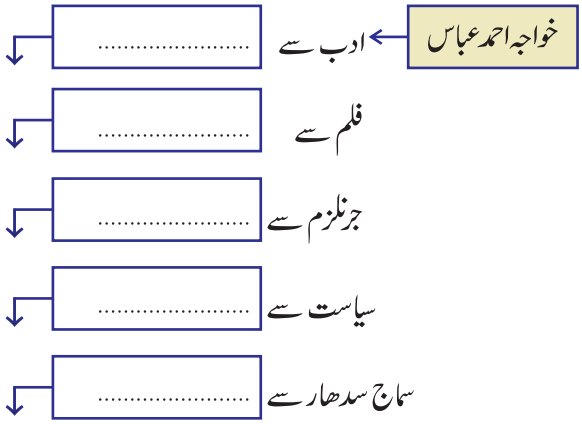

ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے میں اپنے کو اُلجھائے رکھتے ہیں۔

* مصنفہ کے گھر منعقد ہونے والی محفل کے آغاز اور اختتام کے وقت کو ظاہر کرنے والے جملے لکھیے۔

ادبی محفل کے .....

وقت کا اظہار یہ .....

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ مصنفہ کے مطابق نجی محفلوں اور ادبی مجلسوں کا فرق تحریر کیجیے۔

۲۔ سبق میں شاعروں اور ادیبوں کی ایک خاص عادت پر طنز کیا گیا ہے۔ اُس طنزیہ جملے کو نقل کیجیے۔

۳۔ چائے کے پانی کے لیے استعمال کی گئی تشبیہات واضح کیجیے۔

۴۔ مصنفہ کے بار بار کچن میں جانے کی وجہ تحریر کیجیے۔

۵۔ عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کے مزاج کا فرق قلم بند کیجیے۔

۶۔ خواجہ احمد عباس کی شخصیت پر نوٹ لکھیے۔

۷۔ سبق کے حوالے سے مصرعے 'منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی' کی وضاحت کیجیے۔

۸۔ مجروحؔ سلطان پوری کی خوبیاں اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۹۔ ''بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ دو ساحرؔ ہیں۔'' وضاحت کیجیے۔

۱۰۔ کرشن چندر کو دیکھ کر مصنفہ کو یاد آنے والی چیز اور اس کی یاد آنے کی وجہ لکھیے۔

* **ہدایات کے مطابق قواعدی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔**

۱۔ 'کباب بہت اچھے بنے ہیں!'

(استفہامیہ میں تبدیل کیجیے)

۲۔ 'دوسرا وہ جو تلخ، حقیقت افروز بلکہ قنوطیت آمیز گفتگو کرتا ہے۔'

(جملے کا نحوی تجزیہ کیجیے)

۳۔ ادیبوں اور شاعروں سے ادبی مجلسوں اور مشاعروں میں ملاقات کیجیے تو مزا نہیں آتا۔

(مثبت جملے میں اس طرح تبدیل کیجیے کہ مفہوم نہ بدلے)

* **ہدایات کے مطابق سرگرمیاں مکمل کیجیے۔**

۱۔ ''دراصل زندگی کے ہر شعبے میں افراد کے چہروں پر جو ایک ملمع یا ایک نقاب ہوتا ہے، وہ ایسی گھریلو محفلوں میں ایسے انجانے طریقے سے آہستہ آہستہ اُتر جاتا ہے کہ انسان کے چہرے کے صحیح خد و خال دیکھنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔''

اس بیان کی روشنی میں ادیبوں، شاعروں کی زندگی کے دو رُخی رویے پر اپنی رائے دیجیے۔

۲۔ ''ادیب کی زندگی کا جو سب سے اہم پہلو ہے، وہ اسے سو پردوں میں چھپا کر رکھتا ہے۔ آپ اسے صرف کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔'' اس پر اپنی ذاتی رائے تحریر کیجیے۔

سرگرمی/منصوبہ

مختلف ادیبوں نے رپورتاژ لکھے ہیں۔ ان میں سے کوئی دو رپورتاژ حاصل کرکے پڑھیے اور اپنے تاثرات قلم بند کیجیے۔